بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر محمد اقبال جاوید☆

مقالاتِ سیرت۔ایک تعارفی جائزہ

نویں وبین الاقوامی سیرت کانفرنس برائے خواتین

وزارت مذہبی امور،حکومت پاکستان۔اسلام آباد

نویں قومی سیرت النبی کانفرنس، ۶، ۷ دسمبر ۱۹۸۴ء

اس کانفرنس کا مرکزی خیال تھا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نظامِ عدل

فہرست مضامین درج ذیل ہے:

پیش لفظ	جناب سیکرٹری وزارت مذہبی امور
خطبۂ استقبالیہ	جناب وزیر مذہبی امور راجہ محمد ظفر الحق صاحب
خطبہ افتتاحیہ	جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان

نشست مقالات

عہد رسالت کا نظام عدل	جناب ڈاکٹر طیار آلتی قولاج صدر امور دینیہ جمہوریہ ترکی
حضور اکرم ﷺ بحیثیت قاضی و منصف	جناب مولانا عبداللہ خلجی صاحب، مشیر صدر پاکستان

☆ گوجرانوالہ

not

نظام عدل وقضا

نظام قضا اور شہادت کے قواعد وضوابط — جناب جسٹس قدیر الدین احمد صاحب کراچی
قضاۃ کی ترتیب — جناب پروفیسر ہدایت حسین صاحب اسلام آباد
شہادت کے قواعد وضوابط — جناب جسٹس مولانا محمد عبدالقدوس قاسمی صاحب اسلام آباد
رسول کریم ﷺ اور نظام عدل — جناب جسٹس آفتاب حسین صاحب لاہور
عہد نبوی ﷺ میں نفاذ عدل کے ادارے — جناب پروفیسر سمیع اللہ قریشی صاحب جھنگ
رسول کریم ﷺ کا عطا کردہ نظام عدل وقضا — جناب پروفیسر عبدالجبار شیخ صاحب سیالکوٹ
اسلام کے قانونی نظام کے بنیادی اصول — جناب پروفیسر عبداللطیف انصاری مظفر آباد

معاشرتی عدل

معاشرتی عدل سیرت رسول کی روشنی میں — مولانا سید حبیب الرحمٰن بخاری شاہ صاحب راولپنڈی
معاشرتی عدل — پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد کراچی
حضور اکرم ﷺ کا معاشرتی عدل — علامہ شمس بریلوی کراچی
رسول اللہ ﷺ کا معاشرتی عدل — ملک محمد رمضان بلوچ مستونگ
معاشرتی عدل — جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری اسلام آباد

عائلی عدل

عائلی عدل — مولانا ابونصر سید منظور احمد شاہ، ساہیوال
اسلام کا نظام عدل عائلی عدل — ڈاکٹر سید علی رضا نقوی اسلام آباد
تعلیم نسواں سیرت رسول ﷺ کی روشنی میں — ڈاکٹر ظہور احمد اظہر لاہور
تہذیب نسواں خواتین کے حقوق وراثت — مولانا محمد اطہر نعیمی کراچی

معاشی عدل

اسلام میں معاشی عدل — ڈاکٹر ضیاء الدین احمد اسلام آباد

اقلیتوں کے ساتھ عدل

اسلام میں عدل کی اہمیت اور اقلیت کے حقوق	مولانا سمیع الحق اکوڑہ خٹک
ذمی۔سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں	پروفیسر عبدالقیوم لاہور
ذمیوں کے ساتھ عدل	ڈاکٹر سید سبط حسن رضوی اسلام آباد
ذمیوں کے ساتھ عدل	پروفیسر فضل حق میر صاحب کوئٹہ

متفرق

خطاب	جناب داؤد شکو مین چین
عمال حکومت کا محاسبہ	پروفیسر سعید الدین احمد ڈار اسلام آباد
حسن کائنات	حکیم محمد یحییٰ خان شفاء راولپنڈی
خطاب	مولانا امین الاسلام ڈھاکہ
حضور ﷺ کا نظام عدل	ڈاکٹر انعام الحق کوثر کوئٹہ

حرفِ آغاز

نبی کریم ﷺ کی بعثت سے قبل پوری دنیا میں عدل وانصاف کی قدریں پامال ہورہی تھی، حکمران خدا کے خوف سے بے خوف تھے۔وہ خود کو خدا گردانتے تھے،اوران کی جفائیں بھی وفائیں اوران کی خطائیں بھی ادائیں سمجھی جاتی تھیں، روم کی سلطنت ہو یا ایران کی مملکت، ہندوستان ہو یا عرب، ہر جگہ انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہ تھا۔رعایا کی جان مال پر ڈاکہ ڈالنا اوراس کی عزت وآبرو سے کھیلنا،تخت و تاج کا مرغوب مشغلہ تھا، چادر بھی تار تار تھی اور چاردیواری بھی پارہ پارہ، نہ آخرت کی جوابدہی کا کوئی تصور تھا اور نہ کسی دنیاوی معاملات کا کوئی خوف، انسان غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔انصاف کے تقاضے بازاری جنس بنے ہوئے تھےاور رشوت اور خیانت کی قدر افزائی تھی۔حالات و کیفیات کی یہی وہ سنگینی تھی جس کے پیشِ نظر قرآن پاک (آل عمران/۱۰۳) نے فرمایا کہ پوری دنیا جہنم کے کنارے پر کھڑی تھی کہ حضور اکرم ﷺ صداقت، دیانت، امانت اور عدالت کا الوہی پیغام بن کراس کائنات میں تشریف لائے۔ تاریخ شاہد ہے کہ اعلان نبوت سے قبل بھی آپ ﷺ کی صداقت وامانت مسلمہ تھی، اوراہل عرب آپ

not

ﷺ کے فیصلوں کو حتمی اور اپنی امانتوں کے لئے آپ ﷺ کی ذات گرامی قدر کو بہر طور اہل سمجھا کرتے تھے کہ نبی پیدا ہی نبی ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اعلان نبوت، مشیت الٰہی کے تحت کیا جاتا ہے۔

تاریخ بتاتی ہے کہ آغاز اسلام میں حضور ﷺ ہی کے فیصلے کو معاشرتی مناقشات اور اختلافی معاملات میں حرف آخر سمجھ کر قبول کیا جاتا رہا۔ حضور ﷺ نے مکی اور مدنی دستور کو بھی کچھ رد و بدل کے بعد گاہے گاہے پیش نظر رکھا مگر بنیادی طور پر قرآنی ضابطہ ہی سامنے رہا۔ بعد میں جب اسلامی سلطنت وسیع ہوتی گئی تو مختلف علاقوں میں عدالتی فیصلوں کے لئے قاضیوں کا تقرر عمل میں آیا، اور انہیں تلقین کی گئی کہ وہ کوشش کریں کہ مقدمات کے فیصلے قرآن مجید اور سنت رسول پاک ﷺ کے مطابق ہوں، اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت دی گئی کہ اگر ان دونوں میں فیصلے کے لئے کوئی قطعیت نظر نہ آئے تو قاضی اپنی صوابدید کو کام میں لائے۔ اس کی نیت بہر کیف راست ہونی چاہئے کہ اسی پر اعمال کے حسن کا انحصار ہے اور یہ بھی واضح کر دیا گیا کہ اگر فیصلہ غلط بھی ہوگا تو اللہ تعالیٰ کے ہاں سے اجر ضرور ملے گا کہ کم از کم نیت میں تو صالحیت اور غیر جانبداریت تھی۔ اگر وہ فیصلہ درست ہوگا تو قاضیٔ عدالت دہرے ثواب کا مستحق ہوگا، یہی امر اس گفتگو سے مترشح ہے جو رسول پاک ﷺ اور حضرت معاذ بن جبلؓ کے درمیان اس وقت ہوئی تھی جب انہیں یمن کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔

تاریخ اسلام کے مطالعے سے نظام عدل سے متعلق جن رہنما اصولوں کا پتا چلتا ہے وہ کچھ یوں ہیں:

☆ قرآن وسنت سے رہنمائی لی جانی چاہئے۔ بصورت دیگر ذاتی اجتہاد اور باہمی مشاورت سے معاملات کی پیچیدگیوں کو حل کرنے کی سعی کرنی چاہئے۔

☆ فریقین کی جانب سے پیش کردہ شہادتوں کو اساسی حیثیت دی جانی چاہئے اور گواہ کو اپنی ذمہ داریوں کا کماحقہ احساس ہونا چاہئے۔

☆ فریقین ایک ہی قوم سے متعلق ہوں تو ان کے مروجہ قوانین کے مطابق فیصلہ ہونا چاہئے اور مختلف ملتوں سے متعلق ہوں تو فریقین ہی کو فیصلہ کرنا ہے کہ وہ کس قانون کے تحت فیصلہ چاہتے ہیں، فریقین میں اگر ایک مسلمان ہو تو قانون اسلامی ہوگا۔

☆ بنیادی طور پر ہر فرد اپنے فعل کا ذاتی طور پر ذمہ دار ہے اور قیامت کے دن جوابدہ۔

☆ حکمران کی ذات قانون سے بالاتر نہیں۔ اس کے خلاف کسی کو کوئی شکایت ہو تو اسے بھی قاضی کی عدالت میں پیش ہونا ہوگا۔

☆ رسول پاک ﷺ کا یہ فرمان بھی قابل غور ہے کہ ''لوگ جھگڑے میرے پاس لاتے ہیں اور

ممکن ہے کہ کوئی اپنی دلیل بیان کرنے میں زیادہ چرب زبان ہو اور میں جو سنوں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں، اگر میں کسی کو اس کے بھائی کا حق مار کر کچھ دینے کا حکم دوں تو یقین جانو کہ میں اسے جہنم کی آگ کا ایک ٹکڑا دیتا ہوں۔(صحاح ستہ)

قرآن پاک نے مختلف مقامات پر عدل و انصاف قائم کرنے کی تلقین کی ہے۔مثلاً اللہ تعالیٰ تمہیں عدل و احسان کا حکم دیتا ہے (النحل/۹۰) یاد رہے کہ عدل سے مراد پورا پورا حق ادا کرنا ہے جبکہ احسان سے مراد حق اور معاوضے کی کمی کو پورا کر کے حسن توازن کو برقرار رکھنا ہے۔کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس پر برانگیختہ نہ کرے کہ تم ان سے ناانصافی کرو۔ہر صورت میں انصاف کرو، یہی تقویٰ کے زیادہ قریب ہے (المائدہ/۸)۔قرآن مجید کے انہی واضح ارشادات کی روشنی میں نبی کریم ﷺ نے نہ صرف خود عدل و انصاف کی قابل قدر اور قابل تقلید مثالیں قائم کیں بلکہ آپ ﷺ نے مسلمان حاکمین و عاملین کو اس کی تلقین بھی کی کہ ہر صورت میں عدل کے تقاضوں کو پیش نظر رکھا جائے، بات بھی حق کی کی جائے، خواہ معاملہ اپنے ہی کا کیوں نہ ہو اور عمل بھی حق کے مطابق کیا جائے خواہ اس کی زد میں اپنی ذات ہی کیوں نہ آتی ہو۔

ایک اونٹ پر جب بوجھ لادا جاتا ہے تو کوشش یہی ہوتی ہے کہ اونٹ کے دونوں جانب بوجھ برابر ہوتا کہ توازن قائم رہے، اسی کا نام لغوی اعتبار سے عدل ہے۔قرآن پاک نے عدل کے ساتھ ساتھ قسط اور احسان کے الفاظ استعمال کئے ہیں، ان میں بظاہر کوئی خاص فرق نظر نہیں آتا مگر مفسرین نے بتایا ہے کہ عدل سے مراد دو آدمیوں میں برابر برابر کا سلوک کرنا ہے، جبکہ قسط سے مراد حقوق و واجبات کا پورا پورا ادا کر دینا ہے۔جبکہ احسان کے لفظ کا مادہ ہی ''حسن'' ہے جس کا ہر مفہوم توازن و تناسب کے گرد گھومتا ہے۔گویا توازن بگڑ جائے تو اسے درست کرنا بھی احسان ہے اور اگر کسی شعبے میں، کسی فعل میں اور کسی فیصلے میں کمی رہ جائے تو اسے پورا کرنا بھی احسان کے زمرے میں آتا ہے۔راغب اصفہانی کے مطابق عدل تو یہ ہے کہ جو کچھ تمہارے ذمے ہو وہ دیدو اور جتنا تمہارا حق ہے وہ لے لو اور احسان یہ ہے کہ اس سے زیادہ دو جتنا تمہارے ذمے ہے، اور اس سے کم لو جتنا تمہارا حق ہے۔گویا عدل، قسط اور احسان کو سمجھنے اور اپنانے سے ہر معاشرتی استبداد کی جڑ کٹتی اور حسن و خیر کی بنیاد پڑتی ہے۔مستحق کو اس کی پوری جزا ملے اور مجرم کو پوری سزا، اسی سے ترازو کے دونوں پلڑے برابر رہتے ہیں۔اگر کوئی ایک پلڑا بھی جھکا ہوا ہوگا تو اس کا نام ظلم قرار پائے گا، یاد رہے کہ عدل و احسان کا تعلق صرف کمرۂ عدالت سے نہیں ہے، بلکہ مہد سے لے کر لحد تک اس کا عمل جاری و ساری ہے، قول سے لے کر فعل تک، ذہن سے لے کر دل تک، ظاہر سے

لے کر باطن تک، فکر سے لے کر نظر تک، سکوت سے لے کر کلام تک، حق سے لے کر فرض تک اور اپنے سے لے کر بیگانے تک، ہر مقام پر تقاضائے عدل دامن گیر ہیں۔زندگی ایک امانت ہے، اور اگر ہم معاملات حیات میں عدل قائم نہیں کریں گے تو یہ امانت میں خیانت ہوگی اور اس خیانت کے لئے ہم روزِ حشر، داورِ محشر کے سامنے بہر نوع جواب دہ ہیں ؎

قطرے قطرے کا مجھے دینا پڑا حساب
خونِ جگر ودیعتِ مژگانِ یار تھا

قرآن مجید نے عدل کو شہادت سے وابستہ کر رکھا ہے، شہادت ہر خوف سے بے نیاز ہو کر حق گوئی کو اپنانا ہے چھپانا نہیں۔حق کو چھپانے والا گنہگار اور اپنانے والا کامیاب و کامگار رہے، اور عدل کی طرح شہادت بھی ایوان عدل تک محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر مرحلے میں حق گوئی ہی کا دوسرا نام شہادت ہے۔المیہ یہ ہے کہ حرف حق کے قحط نے اس عہد کو دورِ قحط الرجال بنا رکھا ہے، اور کتمان حق کی پاداش میں انسان اپنے ہر شرف سے محروم ہوتا چلا جا رہا ہے ؎

آہ یہ انسانوں کی بستی ، آہ، کہاں انسان
چلتے پھرتے سایوں سے ہیں بام و در آباد

''مقالات سیرت'' سے متعلق زیر نظر جریدہ ''رسول اکرم ﷺ کے نظام عدل'' سے متعلق ہے۔کم و بیش سبھی مقالات اہل علم و دانش کے مطالعے کی وسعتوں کے آئینہ دار ہیں۔فہرست پر ایک نظر ڈالتے ہی سے مقالہ نگاروں کی فکری رفعت، دینی بصیرت اور قلمی عظمت کا اندازہ ہو جاتا ہے، اور ان کے رشحات خامہ کو بہ نظر تعمق دیکھنے سے فکر و نظر کے افق جگمگا اٹھتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جس رنگ، ڈھنگ اور آہنگ سے ایک بگڑے معاشرے کو عدل و انصاف کی چاندنی اور ایک بکھرے ماحول کو محبت و یگانگت کا نور عطا فرمایا وہ کسی عام انسان کے بس کی بات نہ تھی بلکہ سراسر نبیٔ اکرم ﷺ کی عنایت ہے ؎

جتنا بھی یہاں جلوۂ تہذیب بشر ہے
اے محسن عالم ﷺ، تیرا فیضان نظر ہے
(مؤلف)

اہم اقتباسات

عدل کا مفہوم! کسی وزن یا شے کو دو برابر کے نصف حصوں میں اس طرح بانٹ دینا کہ دونوں میں سے کسی ایک میں بھی ذرہ برابر کی بیشی نہ رہے، عدل کہلاتا ہے۔ جب کہ عام اصطلاح میں اور قضاء کے نقطۂ نظر سے عدل کا مفہوم یہ ہے کہ روزمرہ کے معاملات میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے جج یا قاضی عدل وانصاف کے ساتھ ان کے حقوق عامہ کا یوں تحفظ کرے کہ کسی ایک کی بھی حق تلفی نہ ہونے پائے اور اسے اس مقصد کے حصول کے لئے ایک ایسا قانون بھی میسر ہو جس کی نظر میں سب انسان برابر ہوں۔ اور یہاں پر حاکم ومحکوم بادشاہ و رعیت امیر و غریب شریف و وضیع اور کالے گورے کی کوئی بھی تفریق نہ ہو۔ پھر عدل و انصاف کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسا نظام قضا موجود ہو جس میں انصاف خریدنی اور فروختنی شے نہ ہو بلکہ وہ جنس عام ہو جسے ہر کوئی بغیر کسی جبر و اکراہ، خوف وطمع کے آسانی سے حاصل کرسکتا ہو۔ (۱)

تاریخ اسلام میں جو اخلاقی قدریں اور رانمٹ حقیقتیں نظر آتی ہیں۔ ان میں سب سے نمایاں جوہر عدل و انصاف ہے عہد رسالت سے دور حاضر تک مسلمان حکمرانوں اور قاضیوں نے ہمیشہ عدل و انصاف کا بول بالا کیا، اپنے پرائے اور مسلم و غیر مسلم کا فرق کبھی ملحوظ نہ رکھا، یہاں تک کہ عدل فاروقی اور عدل جہانگیری ایسی مثالیں قائم ہوگئیں لیکن یہ سب مثالیں اس عادل و منصف کی خوشہ چیں تھیں، جن کے عدل وانصاف کی مثال ملنا اس کائنات میں ممکن نہیں ہے۔

یہ ذکر ہے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا جو افضل الانبیا اور ختم المرسلین کے منصب جلیلہ پر فائز تھے۔ آپ ﷺ کی ذات اقدس تمام نوع انسانی کے لئے کامل و اکمل نمونہ ہدایت ہے اور زندگی کے ہر شعبے میں انسانیت کے لئے بہترین اسوہ پیش کرتی ہے، قرآن حکیم واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (البتہ تمہارے لئے رسول اللہ میں بہترین نمونہ ہے) سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی جامع صفات اور مجموعہ کمالات ہستی کا ایک اہم پہلو آپ ﷺ کا عدل و انصاف ہے یہ منصب آپ کو من جانب اللہ عطا ہوا۔ جس کا ذکر قرآن حکیم میں متعدد مقامات پر موجود ہے، ارشاد ہوتا ہے: ۔''اے نبی (ﷺ)! ہم نے تمہاری طرف حق کے ساتھ کتاب نازل کی تا کہ اللہ کی دکھائی ہوئی روشنی میں لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو''۔

ایک دوسری جگہ فرمایا اے نبی (ﷺ)! کہہ دیجئے مجھے حکم دیا گیا ہے، کہ تمہارے درمیان عدل کروں (اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمُ) قرآن حکیم کے مطالعے سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے قاضی و منصف ہونے کی حیثیت آپ کی رسالت سے الگ نہیں تھی، بلکہ رسول ﷺ کی حیثیت سے آپ

عادل و منصف بھی تھے، لہٰذا ایمان بالرسالت اس وقت تک صحیح و مکمل نہیں ہوسکتا جب تک آپ ﷺ کی حیثیت قضا پر ایمان نہ لایا جائے جیسا کہ ارشادِ باری ہوتا ہے مومنوں کا کام تو یہ ہے کہ جب وہ بلائیں جائیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف تا کہ رسول ﷺ ان کے مابین فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور مان لیا (آمَنَّا وَاَسْلَمْنَا) بلکہ ایک مقام پر تو نہایت واضح طور پر کہہ دیا گیا ہے، کہ جو شخص رسول اللہ ﷺ کو بطور منصف تسلیم نہیں کرتا وہ مومن ہی نہیں حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ کے فیصلے پر اگر کسی کے دل میں تردد پیدا ہوا تو اس کا ایمان قائم نہیں رہتا، جیسا کہ فرمایا پس اے نبی (ﷺ) تمہارے رب کی قسم وہ ہرگز مومن نہ ہوں گے جب تک وہ اپنے جھگڑوں میں آپ کو حَکم (منصف) نہ مان لیں، پھر جو فیصلہ آپ کریں اس کی طرف سے اپنے دل میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے بسر و چشم قبول کریں" اس کے علاوہ ایک مقام پر کہا گیا ہے، کہ فیصلہ حاصل کرنے کے لئے دو مستقل مراجع ہیں۔ ایک قرآن پاک قانون کی حیثیت سے اور دوسرا رسول اکرم ﷺ منصف و قاضی کی حیثیت سے اور ان دونوں سے منہ موڑنے والا منافقین کے زمرے میں شامل ہوجاتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور رسول ﷺ کی طرف تو تم دیکھو گے منافقوں کو کہ وہ آپ ﷺ سے پہلو تہی کرتے ہیں۔

تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے منصبِ رسالت کے ساتھ ساتھ منصبِ قضا کا حق بھی پورا پورا ادا کیا اور اس میں شک نہیں کہ کسی گوشہ نشیں اور تارک الدنیا شخص کے لئے عدل و انصاف سے چلنا کچھ مشکل نہیں ہوتا مگر حضور اکرم ﷺ نے معاشرے میں رہ کر تمام ذمہ داریوں کو نبا کر اپنی زندگی بسر کی سیکڑوں قبائل سے آپ ﷺ کو واسطہ پڑتا تھا جو آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے، اس کے علاوہ اشاعتِ اسلام کی غرض سے آپ کو تالیفِ قلوب کرنا پڑتا تھا، مگر ان سب پیچیدگیوں اور مشکلات کے باوجود آپ ﷺ نے عدل و انصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑا آپ کی عدل و انصاف کی درخشاں مثالیں کتبِ احادیث میں موجود ہیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ قریش کی شاخ بنو مخزوم کی ایک معزز عورت فاطمہ نے چوری کا ارتکاب کیا اور مقدمہ عدالتِ نبوی میں پیش ہوا۔ قریش نہیں چاہتے تھے کہ اس عورت کا ہاتھ کاٹا جائے، اور اس طرح ان کی عزت پر حرف آئے اس لئے انہوں نے آنحضرت ﷺ کے محبوبِ خاص حضرت اسامہؓ بن زیدؓ کے ذریعے آپ کو سفارش کرائی انہوں نے حضور اکرم ﷺ سے درخواست کی تو آپ غضب آلودہ ہوگئے اور فرمایا کہ بخدا اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کا ارتکاب کرتی تو اس پر بھی حد جاری کرتا، بنی

اسرائیل اس لئے تباہ ہوئے کہ وہ غریبوں پرتو حد جاری کرتے تھے مگر امیروں سے درگزر کرتے تھے۔(۲)

عدل و انصاف کا سب سے کڑا امتحان اس وقت ہوتا ہے جب معاملہ اپنی ذات کے خلاف ہو، آنحضرت نے ایسے مواقع پر بھی حق و انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا، ایک مرتبہ آپ ﷺ مالِ غنیمت تقسیم فرمارہے تھے، اور آپ ﷺ کے گرد لوگوں کا ہجوم تھا اسی دوران ایک شخص آ کر منہ کے بل آپ پر لدگیا۔ آپ ﷺ کے دست مبارک میں ایک پتلی چھڑی تھی آپ نے اس چھڑی سے اسے ٹھوکا دیا۔ اتفاق سے اسے خراش آ گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھ سے انتقام لو۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے درگذر کیا۔ اسی طرح مرض الموت میں آپ ﷺ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ اگر کسی کا قرض میرے ذمے ہو یا کسی کی جان و مال میں مجھ سے نقصان پہنچا ہو وہ اس دنیا میں اپنا انتقام لے لے، مجمع میں سناٹا تھا۔ صرف ایک شخص نے چند درہم کا دعویٰ کیا جو فی الفور دلوا دیئے گئے۔ آنحضرت کے عدل و انصاف کا یہ عالم تھا کہ غیر مسلم اور یہود بھی اپنے معاملات میں آپ کا حکم تسلیم کرتے تھے۔ اور اپنے مقدمات آپ ﷺ کے پاس فیصلے کے لئے لاتے تھے آپ بلاتمیز حق و انصاف پر ہی فیصلے صادر فرماتے تھے۔ اسلام سے قبل یہود کے دو قبیلے بنونضیر اور بنوقریظہ میں ایک عجیب حد قائم تھی۔ اگر کوئی قریظی کسی نضیری کو قتل کر دیتا تو قصاص میں اسے قتل کر دیا جاتا تھا مگر جب کوئی نضیری کسی قریظی کو قتل کر دیتا تو اس کے خون کی قیمت سو بار شتر مجبور تھی۔ اسلام آنے پر جب یہ معاملہ حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوا تو آپ نے تورات کے احکام کے مطابق دونوں قبیلوں میں برابر کا قصاص جاری فرمایا۔(۳)

حصول انصاف میں شاہد کو بہت بڑی اہمیت حاصل ہے اور قاضی اور حاکم کی ذمے داری میں شاہد کی ذمے داری شامل کر کے حاکم کو قدرے سہولت دی گئی ہے، اس کا بوجھ ہلکا کر دیا گیا ہے، چنانچہ قاضی شریح فرمایا کرتے تھے کہ قضا (فریقین کے درمیان فیصلہ کرنا) آگ کا دھکتا ہوا کوئلہ ہے۔ وہ شاہدوں سے دو تیلیوں کا کام لے کر یہ کوئلہ اپنی طرف سے ہٹانا چاہئے۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت اسلامی نے قاضی کو اپنی صوابدید کے استعمال کرنے سے زیادہ اس بات کا پابند کیا ہے کہ وہ شاہد اور گواہ کے قول پر اعتماد کرے۔ اس مقصد کے لئے ایک طرف یہ پابندی لگائی گئی ہے کہ مختلف قسم کے مقدمات کے لئے گواہوں کی تعداد اور کیفیت متعین نوعیت کی ہو۔ دوسری طرف یہ پابندی لگائی گئی ہے کہ گواہ اچھی شہرت کے حامل اور قابل اعتماد ہوں تیسری طرف یہ پابندی لگائی گئی ہے کہ گواہوں کے ساتھ نہایت عزت و احترام کا سلوک کیا جائے تاکہ گواہ قاضی کے سامنے آنے میں جھجک محسوس نہ کریں۔(۴)

not

کسی زمانے میں بھی کسی معاشرے میں ظلم وستم کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھا گیا، ہمیشہ عدل و انصاف کے تقدس کا علم لہراتا رہا، وہ لوگ جو خود ظلم وستم کے علمبردار تھے انہوں نے بھی کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ ظلم اچھی چیز ہے اور عدل قبیح اور ناپسندیدہ فعل ہے، جس ملک میں اور جس معاشرے میں عدل وانصاف کی جگہ ظلم و ستم کی فرمانروائی ہوتی ہے وہاں علم و دانش کی روشنی پھیلانے والے چراغ گل ہوجاتے ہیں، دستِ دولت آفریں شل ہوجاتا ہے، صنعت وتجارت اور زراعت کی رونقیں دم توڑ دیتی ہیں ہر روز نو بہ نو ادبی، ثقافتی، فنی اور سائنسی شاہکاروں کو جنم دینے والی تخلیقی قوتیں بانجھ ہوجاتی ہیں۔انسانی معاشرے کی ترقی اور خوشحالی کے لئے ضروری ہے کہ ایک ایسی قوت حاکم ہو جو زبردست کو زیر دست پر دست کاری سے روکے، طاقتور کو کمزور پر جور و جفا کرنے سے باز رکھے، جبر وتشدد کے تندوتیز سیلاب کے سامنے حدِ سکندری بن کر کھڑی ہو سکے۔(۵)

رحمت عالم ﷺ نبی اور رسول ہونے کے علاوہ مملکتِ اسلامیہ کے بانی بھی تھے اس مملکت کے عام باشندوں میں بلا امتیاز عدل وانصاف کے اصول پر عمل پیرا ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولین ذمے داری تھی حضور ﷺ نے اس ذمے داری کو ایسے مثالی انداز سے انجام دیا کہ اس سلسلے میں حضور ﷺ کا اسوۂ مبارکہ کاروانِ انسانیت کے لئے قیامت تک روشنی کے بلند مینار کا کام دیتا رہے گا۔ جب کبھی حضور ﷺ کی عدالت میں کوئی معاملہ پیش ہوا تو حضور نے اپنے اور بیگانے، دوست اور دشمن، امیر وفقیر، عربی اور عجمی، اعلیٰ اور ادنیٰ تمام امتیازات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے عدل کے تقاضوں کو پورا فرمایا۔(۶)

قرآن حکیم زندگی کے ہر موڑ پر ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ جب قرآن نازل ہوا تو اس کے مخاطب بالعموم وہ لوگ اور وہ جماعت تھی جس نے کفر وطغیان میں اپنی آنکھ کھولی اور زندگی کے بہت سے ماہ وسال گزارے تھے۔سرکشی اور نافرمانی کے راستے پر چلتے ہوئے ان کو مدتیں گزر چکی تھیں (بعفاوت عمر) لیکن یہ قرآن کریم کا اعجاز اور کلام رسول اکرم ﷺ کی اثر آفرینی اور خود صاحب قرآن کی عملی زندگی ہی تو تھی جس نے آن کی آن میں ان کی کایا پلٹ دی۔حالانکہ ملکات (عاداتِ راسخہ) میں تغیر وتبدل ایک بہت ہی دشوار چیز ہے۔اور ایسا تغیر پیدا کرنے کے لئے تعلیم وتربیت، شدید محنت اور اثر آفرینی کی ضرورت ہوتی ہے لیکن قرآنی تعلیمات اور سرورِ کونین ﷺ کی سیرتِ پاک کی اثر آفرینی کا یہ ایک اعجاز تھا کہ قلوب کے یہ زنگ خوردہ لوہے آن کی آن میں جگمگاتے آئینے بن گئے۔ورنہ ہوتا یہی ہے کہ:۔

یک الف بیش نہیں صیقل آئینہ ہنوز
چاک کرتا ہوں میں جب سے کہ گریباں سمجھا

not

حضرت سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ہیچ صیقل نکو نخواہد کرد آئینے را کہ بد گہر باشد

لیکن قربان جایئے اس پاکیزہ زندگی کی اثر آفرینی کے کہ اندھے آئینوں کو وہ جلا بخشی کہ دنیا حیران رہ گئی۔اس طرح حضور اکرم ﷺ نے بہت ہی قلیل مدت میں الاعـراب اشـد کفـراً کو ایک ثابت قدم مسلمان، ایک مدبر، ایک فہیم اور صاحب عظمت فرد بنا دیا۔اور ایک ایسا صالح معاشرہ تشکیل فرما دیا جس کا ہر فرد تقویٰ، راستی، خدا پرستی، خدا دوستی اور فضائل اخلاق کا ایک پیکر بن گیا۔(۷)

ذمی کا اطلاق اہل الذمہ پر ہوتا ہے اور ذمے کے معنی ہیں حق ذمے داری، کفالت، عہد، حرمت وغیرہ، اسلامی شریعت اور اسلامی قانون کی اصطلاح میں ذمی اس شخص کو کہتے ہیں جس سے حکومتی سطح پر کوئی عہد و پیاں کیا گیا ہو اور اسی لئے ذمی کو اہل الذمہ کے علاوہ اہل العہد (یعنی وہ شخص جس سے عہد و پیاں کیا گیا ہو) بھی کہتے ہیں۔امام لغت جوہری نے ذمی کو اہل العقد کے نام سے بھی یاد کیا ہے۔اور دوسرے ماہر لسانیات نے ذمے کا معنی امان بیان کیا ہے اور اس اعتبار سے ذمہ وہ ہے جسے ہر طرح کے امن و امان کی ضمانت دے دی جائے۔

معاہد کو ذمی کہنے کی یہی وجہ ہے کہ وہ عہد و پیاں کے ذریعے مسلمانوں کی حمایت و حفاظت میں آجاتا ہے اسے امان مل جاتی ہے، اسلامی حکومت کی ذمے داری ہو جاتی ہے کہ ذمی کے مال و جان اور عزت و آبرو اور شہری حقوق کی نگہداشت کرے اور اسے کسی قسم کی تکلیف ضرر یا نقصان نہ پہنچنے دے اسلامی ریاست کا یہ مقدس فرض ہے کہ وہ غیر مسلم رعایا کے حقوق کی پوری پوری حفاظت کرے، کیونکہ حکومت نے اس بات کا ذمہ لیا ہے، اس کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ لفظ ذمی میں تحقیر و تذلیل کا قطعاً کوئی تصور یا پہلو نہیں پایا جاتا، آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی کا بہت بڑا فیضان ہے کہ آپ نے غیر مسلم رعایا کو ہر طرح کی امان دی اور ان کے شہری حقوق کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر مسلم قوم کا کوئی شخص بھی کسی کو امان دے دے تو ساری مسلم قوم پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ جسے امان دی گئی ہے اس کی پوری پوری حفاظت کرے تا کہ اسے کوئی تکلیف پہنچنے نہ پائے، تاریخ کا مشہور واقعہ ہے کہ جب عہد فاروقی میں ایک غلام نے میدان جنگ میں دشمن کی ایک فوج کو امان دی تھی تو حضرت عمرؓ فاروق نے اس غلام کے عہد اور ذمے کو قائم رکھا۔(۸)

نسل انسانیت پر نبی کریم ﷺ کے احسانات اس قدر ان گنت اور لاتعداد ہیں کہ کسی قلم کے

لئے ممکن نہیں کہ انہیں احاطۂ تحریر میں لا سکے اور دامنِ قرطاس میں اتنی وسعت نہیں کہ انہیں اپنے اندر سمو سکے۔

ان کے حضور ان کی نوازش کی سن کے دھوم
آئی سحر بھی چاک گریبان لئے ہوئے

آپ نے اسلام کے نظام عدل و میزان کے چراغ اپنے لہو سے روشن کئے۔ ظلم کی آندھیاں چاہے کتنی سرکش ہو جائیں، ان چراغوں کو نہ بجھا سکیں گی، آج بھی ہر سو پھیلی ہوئی تاریکیوں کو روشن کرنے کے لئے ان چراغوں کی طرف رجوع کرنا ہوگا، ظلم کے ہاتھوں زخم کھانے والوں کے لئے ایک ہی جائے پناہ ہے، امن و سکون و صلح و آشتی، عدل و انصاف کی متلاشی دنیا کو اگر پناہ مل سکتی ہے تو رہبر کامل اور رحمت للعالمین کے دامانِ رحمت میں، صرف وہی مینارہ نور ہیں جن کی ضیا میں چلنے والے قافلے منزل مراد کا رخ زیبا دیکھتے ہیں، صرف وہی ہیں جن کے طلوع کے دن کو بھلایا نہیں جا سکتا، اگر بھلا دیا ہے تو پھر اسے مرکز دل اور کعبۂ امید بنانا ہوگا۔ ہزاروں درود و سلام ہوں ظلم کی آہنیں زنجیر توڑنے والے پیغمبر عادل اور داعی انقلاب رحمت پر۔(۹)

قرآن مجید کے مطابق اسلام کے تین بنیادی تصورات ہیں:۔

۱۔ ایمان، جس کے بغیر کوئی بھی مسلمان نہیں ہو سکتا۔

۲۔ تقویٰ، اس سے حقیقی معنوں میں مسلمان بنتا ہے، اور اللہ کے نزدیک بزرگ ترین وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔

۳۔ جہاد فی سبیل اللہ، یہ مسلمان کی معراج ہے۔ عدل کی حیثیت کا اندازہ یہاں سے لگایا جا سکتا ہے کہ اسے ایمان سے اوپر اور تقویٰ کے قریب رکھا گیا ہے۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے **اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى** یعنی عدل کرو وہ تقویٰ کے بالکل قریب ہے، یہیں سے عدل کی اہمیت اور عظمت اظہر من الشمس ہو جاتی ہے۔ عدل کے معنی برابر کے بھی ہیں۔ جو شخص کسی کے ساتھ برائی کرے اس کے ساتھ اتنی ہی برائی کی جائے تو یہ عدل ہے، اور اس کو چھوڑ دینا یا اسے معاف کر دینا یا اس سے درگزر کرنا یہ عفو ہے، اسلام میں ان دونوں کے الگ الگ مراتب ہیں، اللہ نے قانونِ عدل کو جماعت اور سلطنت کے ہاتھ میں دیا ہے، یہ کسی ایک شخص کا کام نہیں ہے، اور عفو ہر شخص کے ہاتھ میں ہے اور یوں عفو کرنا محض شخصی معاملہ بن جاتا ہے۔(۱۰)

حرفِ اختتام

کہا جاتا ہے کہ زندگی، عناصر میں ظہور ترتیب کا دوسرا نام ہے۔ اس سے مراد جسمانی اور فکری

حسن تو ازن ہے گویا وجود کو موجود رہنا چاہئے مگر عدل کے ساتھ۔اور جب تک خشیت خداوندی اور توفیق خداوندی شامل حال نہ ہواس وقت تک نہ عدل کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں اور نہ احسان کا حسن نکھر سکتا ہے۔انسان کو معاملات حیات میں اپنے ساتھ اور جملہ متعلقین کے ساتھ عدل کرنا چاہئے اور اسی بنیاد پر رحمت خداوندی کی امید رکھنی چاہئے کہ یہی زمینی عدل، آسمانی فضل کو آواز دے گا۔ صاحبزادہ خورشید گیلانی مرحوم کے الفاظ میں۔

"اگر تو معاملہ بندے کا بندوں کے ساتھ ہوتو اسے عدل کا مطالبہ زیب بھی دیتا ہے اور ایسا کرنا بھی چاہئے، لیکن معاملہ خدا کے ساتھ ہوتو پھر انسان کو اللہ سے عدل کا نہیں اس کے فضل کا طالب ہونا چاہئے کیونکہ عدل میزان کے دو پلڑوں کے برابر رکھنے کا نام ہے، میزان عدل دو انسانوں کے درمیان تو قائم ہو سکتی ہے اس لئے کہ وہ دونوں برابر ہیں، کبھی ایک سے غلطی ہو سکتی ہے اور کبھی دوسرے سے، مدعی اور ملزم بدلتے رہتے ہیں، حق دار اور حق مار کبھی ایک نہیں ہوتا، چنانچہ ان کا عدل کا مطالبہ اور ان کے درمیان عدل کا معاملہ عین تقاضائے عقل ہے، جب کہ خدا اور بندے کا تعلق اور معاملہ یکسر مختلف ہے، ایک وہ جو روز اول سے محسن ہے اور دوسرا وہ جو یوم ازل سے احسان مند ہے، محسن اور ممنون کے درمیان اگر میزان کھڑی ہو جائے تو احسان مند خسارے میں رہے گا، اگر خدا خود میزان عدل قائم فرما دے تو یہ بندے کی قسمت ہے وہ احتجاج نہیں کر سکتا لیکن اگر بندہ اپنے خدا سے اپنے معاملات میں عدل کا مطالبہ داغ دے تو یہ اس کی شومی قسمت ہوگی، اللہ کے احسانات میں سے ایک احسان اتنا بھاری ہے کہ وہ میزان کے ایک پلڑے کو جھکائے رکھنے کے لئے کافی ہے خواہ دوسرے پلڑے میں کسی کی تہجد گزاری اور شب زندہ داری تو کجا خود جنیدؒ و بایزیدؒ کو بھی رکھ دیا جائے کوئی فرق نہیں پڑے گا، اسی احساس کے تحت حضرت علی المرتضیٰؓ ہمیشہ اپنی التجا میں کہتے تھے: "اے اللہ میرے ساتھ وہ معاملہ فرما جو تیرے شایان شان ہے نہ کہ وہ جس کا میں حقدار ہوں"۔(۱۱)

اللہ تعالیٰ نے انسان اور کائنات کو جس حسن تناسب کے ساتھ پیدا کیا ہے وہ فطری عدل کا بہترین نمونہ ہے جیسا کہ ابتدا میں لکھا جا چکا ہے کہ عدل، کمرۂ عدل تک محدود نہیں ہے، ویسے ہی جیسے عبادت، احاطۂ مسجد تک محدود نہیں ہے بلکہ زندگی کا ہر لمحہ، سوچ کا ہر زاویہ، قدم کا ہر رخ، نظر کا ہر اشارہ، زبان کا ہر بول اور قلم کی ہر جنبش، عدل کی طلب گار ہے کہ اسی سے حسن نکھرتا اور تاثر ابھرتا ہے۔یہ بھی ایک بے غبار صداقت ہے کہ عدل، عادل کو تقویٰ سے قریب تر کر دیتا ہے۔خدا کا خوف ایک طرف اسے ہر

دنیاوی خوف سے بے خوف کرتا ہے اور دوسری طرف حب خدا کا جذبہ بھی پختہ تر ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا یہ عظیم جذبہ اللہ تعالیٰ کی ہر مخلوق کو اپنے ہالے میں لے لیتا ہے اور یوں پورا معاشرہ سکون وعافیت کا گہوارہ بن جاتا ہے۔ خارزارِ حیات میں دیکھ دیکھ کر، سوچ سوچ کر اور پھونک پھونک کر قدم رکھنے کا دوسرا نام تقویٰ ہے۔ تقویٰ سے نصرت جاوداں اور دولت دو جہاں انسان کا مقدر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سکون وراحت اور عزوشرف کا ہر مقام متقیوں ہی کے لئے آراستہ کر رکھا ہے۔ اتقاء سے ظرف اور ہمت میں ایسی وسعت آتی ہے کہ اس کے سامنے ہر پنہائی محدود اور ہر وسعت سمٹ کر رہ جاتی ہے۔ ہمائے اتقا لامکاں کی لامحدود فضاؤں ہی میں محو پرواز رہ سکتا ہے۔ انہی فضاؤں میں ''ہر لحظہ نیا طور ہوتا ہے اور نئی برق تجلی'' اور مرحلہ ہائے شوق کبھی طے نہیں ہوتے کہ اللہ تعالیٰ ہر لحہ نئی شان سے جلوہ گر رہتے ہیں۔ اور یہ ہمت کی بات ہے، ہمت اتقا سے بال و پر لیتی ہے اور متقی فی الواقع اہل ہمت ہوتے ہیں، جبکہ عدل انسان کو اتقا کے قریب تر لے جاتا ہے۔ (مؤلف)

بین الاقوامی سیرت کانفرنس برائے خواتین ٤ دسمبر ١٩٨٥ء

اس کانفرنس کا مرکزی خیال تھا

تعلیمات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

فہرست مضامین درج ذیل ہے:

۱۔ پیش لفظ	ایڈیشنل سیکرٹری انچارج وزارت مذہبی امور
۲۔ خطبۂ استقبالیہ	بیگم مقبول احمد خان
۳۔ خطاب مہمان خصوصی	جنرل محمد ضیاء الحق (صدر پاکستان)
۴۔ صدارتی کلمات	بیگم شفیقہ ضیاء الحق
۵۔ درود شریف کی فضیلت	بیگم گوہر ممتاز قاضی
۶۔ خواتین کے حقوق اور ذمہ داریاں	بیگم نثار فاطمہ زہراء
۷۔ حُبِّ رسول ﷺ اور اس کے تقاضے	بیگم عفیفہ ممدوٹ
۸۔ تعلیمات محمدی ﷺ	بیگم راحت آغا
۹۔ تعلیمات نبوی کی روشنی میں بچوں کے ساتھ سلوک	ڈاکٹر پروین شوکت علی

۱۰۔ اصلاح معاشرہ اور خواتین	ڈاکٹر قمر واحد
۱۱۔ حُبِ رسول ﷺ اور اس کے تقاضے	بیگم فرخندہ امجد
۱۲۔ محسنِ نسواں	بیگم انور رضا
۱۳۔ خواتین کے معاشی حقوق دائرہ اسلامی میں	بیگم سیدہ عثمانی
۱۴۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ میں والدین کے حقوق	مس بلقیس جعفری
۱۵۔ تاریخ اسلام میں عورت کا کردار	بیگم انجم منور علی
۱۶۔ وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا	بیگم روح افزا
۱۷۔ حضورِ اقدس ﷺ بحیثیت شوہر اور باپ	پروفیسر مریم سلطانہ نوحانی
۱۸۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ میں والدین کے حقوق	پروفیسر خورشید میمن
۱۹۔ نبی کریم ﷺ بحیثیت انسانِ کامل	ڈاکٹر امینہ اشرف
۲۰۔ اقلیمِ سخن کا شہنشاہ اول و آخر	بیگم بشریٰ رحمٰن
۲۱۔ تعلیماتِ نبوی ﷺ کی روشنی میں وعدے کی اہمیت	بیگم رفعت غزالہ اسماعیل
۲۲۔ تعلیماتِ رسول ﷺ	بیگم ثریا اللہ دین
۲۳۔ تبلیغ ایک دینی فریضہ ہے	بیگم عذرا ریاض
۲۴۔ قرآن کریم ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے	بیگم وحیدہ امین
۲۵۔ اطاعت رسول ﷺ	بیگم عامرہ احسان
۲۶۔ حُبِ رسول کے تقاضے	بیگم زبیدہ مظہر
۲۷۔ تبلیغ ایک دینی فریضہ ہے	بیگم خالدہ جمیل
۲۸۔ اسلام ہی حقوق انسانی کا علمبردار اور پاسبان ہے	محترمہ ام زُبیر
۲۹۔ خواتین اور اصلاح معاشرہ	بیگم ماہرہ نصیر ترابی

عربی

۱۔ محاضرة عن دور المرأة فی بناء المجتمع الاسلامی،	السیدة زینب الغزالی الجبیلی (جمهوریة مصر)

۲۔ محمد ﷺ المثل الاعلیٰ للانسانیۃ، مادام فوزیہ اسماعیل خلیل (جمہوریۃ مصر)
۳۔ حقوق المرأۃ فی الاسلام حرم الدکتور عبداللہ عزام (عمان)

حرفِ آغاز

صنفِ نازک کے بارے میں اسلامی نقطۂ نظر فطری صداقتوں، اخلاقی عظمتوں اور انسانی تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ اسلام نے اسے ذلت و مسکنت کی پستیوں سے ابھارا اور عزو شرف کے اس مقام تک پہنچا دیا جس پر ہر دور کی چاہتیں بجا طور پر ناز کر سکتی ہیں۔ اسلام سے قبل عورت گوشت پوست اور رنگ روپ کا ایک ایسا پیکر تھی جسے صرف نفسانی تقاضوں کی تسکین کا ایک ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ جب تک حسن اس کا ساتھ دیتا تھا، عیش و نشاط کی محفلوں میں اس کی طلب رہتی تھی۔ حسن کے کجلاتے ہی وہ بے حیثیت اور بے وقار ہو کر تقویم پارینہ بن کر رہ جاتی تھی۔ عصمت اور آبرو کی کوئی سی قدر بھی باقی نہ تھی، نتیجہ معلوم کر خانگی زندگی کا تقدس پامال، نسل انسانی کی واقعیت مشتبہ اور کردار و اعمال کا حسن مجروح ہو چکا تھا، چونکہ اخلاقی اور انسانی قدروں کی پامالی مرد کے ہاتھوں واقع ہو رہی تھی، اس لئے قرآن پاک نے عورت کو تکریم و تعظیم کا مستحق اور کائنات کے جمال کا باعث قرار دیتے ہوئے، مرد کو بالاتر مگر صنف نازک کا نگہبان قرار دیا، تا کہ وہ ہر حال میں اس ہستی کی قدر و منزلت کو قائم رکھے۔

زر، زن اور زمین، ان تین چیزوں کو وجہ فساد سمجھا جاتا ہے، زمین تو بہر حال زر ہی کی ایک خاکی شکل ہے۔ اصل میں عورت اور دولت دونوں وجہ فساد بھی ہیں اور باعث عناد بھی، محض اس وقت جب یہ دونوں اپنے حقوق و مقاصد کو طاقِ نسیاں پہ رکھ دیں۔ حدود کو پھلانگیں اور اصول و ضوابط کو نظر انداز کر دیں، اگر الوہی ضابطے کے مطابق ان سے سلوک کیا جائے اور اسی کے تحت ان سے سلوک چاہا جائے تو عورت اور دولت دونوں اس کائنات ارضی کی شادابی اور سیرابی کا باعث ہیں اور حیات انسانی کی بقا، تہذیب اور تعمیر کا ایک خوبصورت ذریعہ۔ قرآن پاک نے حقوق کے اعتبار سے مردوں اور عورتوں دونوں کو ذمے دار ٹھہرایا، اگرچہ مردوں کو ان پر کچھ فضیلت عطا کر دی اور اس برتری کو بڑی حکمت سے نگرانی اور ذمے داری کی شکل عطا کر دی اور ساتھ ہی عورت کو احترام و محبت کا وہ مقام عطا کیا جو رہتی دنیا تک صنف نازک کے لئے وجہ افتخار رہے گا۔

اسلام نے یہ انقلابی اصول تب دیئے جب پوری دنیا میں عورت بے وقار و بے آبرو تھی۔

تاریخ بتاتی ہے کہ جین مت میں عورت کو برائیوں کی جڑ سمجھ کر کلیتاً نظر انداز کرنے کا حکم تھا۔ ہندو مت میں عورت بے چارگی کی تصویر تھی۔ زندگی میں خاوند کا خادم رہنا اور خاوند کی موت پر اس کی چتا میں جل بجھنا اس کا مقدر اور اس جفا کو وفا سمجھ کر انجام دینا اس کا مقسوم تھا۔ ایران میں عورت کی بے کسی کو سمجھنے کے لئے فارسی زبان کے دو لفظ ہی کافی ہیں کہ فارسی میں مرد کو ''خصم'' (دشمن) کہتے اور عورت کو ''زن'' (جسے مارنا چاہئے)۔ گویا وہ اسی قابل ہے کہ مرد اس کے ساتھ دشمنوں کا سا برتاؤ کرے، اسی طرح ہندی میں لڑکی کو ''دوہتر'' اور بیوی کو ''پتنی'' کہا جاتا ہے۔ دوہتر کا مطلب ہے دور کر دی گئی۔ گویا مردود، پتنی، نوکرانی اور کنیز کو کہتے ہیں۔ یونان میں عورت جنس بازار تھی، منڈی میں اس کی بولیاں لگتی تھیں۔ روم میں عورت، زندگی بھر ایک ذلیل قیدی کی حیثیت سے رکھی جاتی تھی، اسے ایک ناپاک جانور تصور کیا جاتا تھا۔ اسے نہ بولنے کی اجازت تھی، نہ تڑپنے کی، نہ فریاد کی۔ وہ نہ رو سکتی تھی نہ ہنس سکتی تھی۔ زبان بندی اس کے لئے محاورہ نہیں، روزمرہ تھی اور ہر وقت اس کے منہ پر حقیقی معنوں میں تالا لگا رہتا تھا۔ فرانس اور انگلستان میں بھی عورت نفسانی خواہشات کی تسکین ہی کا ایک ذریعہ تھی، بیویوں کے تبادلے کا عام رواج تھا اور اس کی رفاقت کسی نوع سے بھی وجہ سعادت نہ تھی۔ عرب میں بھی عورت کو جنس اور مال سمجھا جاتا تھا۔ وہ عصمت فروشی پر مجبور تھی۔ وہاں تعدد ازواج کی لعنت عام تھی۔ نہ نکاح و طلاق پر کوئی پابندی تھی اور نہ وراثت میں اس کا کوئی حصہ۔ نفرت کا یہ عالم تھا کہ لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا وجہ فخر سمجھا جاتا تھا، یہودی ماہواری کے ایام میں عورت کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھاتے تھے اور گھر میں اس کی حیثیت ایک ذلیل ترین فرد کی سی ہوتی تھی۔

ایسے میں نبی مکرم ﷺ نے آسمانی ہدایات کے مطابق، خواتین کے حقوق کا تحفظ فرمایا۔ اسے نکاح کے سلسلے میں مکمل خود مختاری دی، وراثت میں اس کے حق کو محفوظ کیا۔ جنت کو اس کے قدموں کے نیچے رکھ کر اس کی دلجوئی کو عبادت بنا دیا۔ حسن سلوک کا مستحق ماں اور صرف ماں کو بتایا اور سمجھایا گیا، باپ کا مقام کہیں بعد میں رکھا گیا۔ زبان رسالت مآب ﷺ نے نیک بیوی کو نعمت قرار دیا، اور عورت کے ساتھ بہترین سلوک کرنے والے کو **اکمل المؤمنین** کا درجہ عطا فرمایا۔ عورتوں کو مار پیٹ کرنے والوں کو برا سمجھا گیا، بچیوں کو زندہ درگور کرنا، ظلم و استبداد کے مترادف کہا گیا۔ یوں اسلام نے عورت کی عزت و حرمت کو مہر و پروین کی تاب و تب عطا کر کے اسے صدق و صفا کے گلہائے رعنا سے تعبیر کیا کہ وہ فی الواقع نگاہ کا سرور اور دل کی طمانیت ہے۔

قرآن پاک نے جہاں مردوں اور عورتوں کے حقوق کا ذکر کیا ہے، وہاں عورتوں کی حقوق کا

ذکر پہلے کیا ہے کہ وہ مردوں کے ذمے ہیں، جبکہ مردوں کے حقوق کا ذکر بعد میں کیا ہے۔اس میں حکمت یہ ہے کہ مرد پہلے عورتوں کے حقوق ادا کرے کیونکہ وہ صنف نازک ہونے کے ناتے شاید اپنے حقوق حاصل نہ کرسکیں جبکہ مرد اپنے حقوق زبردستی بھی لے سکتا ہے کیونکہ اسے برتری اور تفوق حاصل ہے اور پھر قرآن پاک نے بالمعروف کہہ کر ہر قسم کی بے رخی اور بے دلی کا قلع قمع کردیا کہ حقوق یوں ادا کرو کہ اس میں خوش دلی غالب رہے اور قرآنی حدود واحکام کی پاسداری کا پورا پورا خیال رکھا جائے

قرآن پاک نے نسوانیت کو حیوانیت سے بچانے کے لئے چادر اور چاردیواری کے تقدس کو قائم کرنے کا حکم دیا، نگاہوں کو نیچا رکھنے پر مجبور کیا کہ بے حیائی آنکھوں کے راستے دل تک پہنچتی ہے۔ذوق نظر، حد میں رہے تو شرافت ونجابت کی دلیل ہے، حد سے بڑھ جائے تو درندگی اور پراگندگی اس کا احاطہ کرلیتی ہے۔اور یوں نگاہوں کی یہ بے راہروی، فکر وخیال کی آوارگی کا باعث بن جاتی ہے۔عورت کے لئے پردہ لازم سمجھا گیا، اللہ تعالیٰ خالق ہیں اور وہ نہاں ہیں۔گویا خالق کا چھپا ہوا ہونا ضروری ہے عورت بھی اپنی حد تک ایک ذریعہ تخلیق ہے اسے بھی پردے میں رہنا چاہئے اور محفلوں کی بے پردگی اور عریانی سے خود کو بچانا چاہئے۔

اسلام نے مرد اور عورت کے حقوق وفرائض کے حدود مقرر کئے ہیں اگر ان حدود کا پاس رکھا جائے تو نہ کسی کو کسی سے شکایت پیدا ہوتی ہے اور نہ معاشرتی اور خانگی زندگی کا توازن بگڑتا ہے، مرد اور عورت کی مسابقت اور عورت کی بے ضرورت آزادی کی کوشش سے نہ صرف معاشرتی زندگی بے آبرو اور بے کار ہوجاتی ہے بلکہ عصمت وعفت کا آبگینہ بھی مجروح ہوکر رہ جاتا ہے۔اور یہ وہ نقصان ہے جس کی تلافی ممکن ہی نہیں ہے۔جو ہر عصمت کو بچانے کے لئے خیال سے نگاہ تک اور نگاہ سے عمل تک تحفظ اور تقدس لازم ہے اور اسلام ہی وہ ضابطۂ حیات ہے جو خیال کو رفعت، نظر کو عفت اور اور عمل کو صالحیت عطا کرتا ہے۔جبکہ دور حاضر کی نام نہاد آزادی تو دور مظلمہ کی غلامی وبدحالی سے بھی فروتر ہے۔اسلام کے نزدیک نسلی اعتبار سے مرد وزن یکساں ہیں۔عمل کے لحاظ سے بھی دونوں کے لئے اتقاہی لازم ہے۔حصول علم بھی دونوں کے لئے فرض ہے۔مگر دونوں کے فطری اور خلقی رجحانات کے پیش نظر، دائرہ کار کا تعین الگ الگ ہے۔قرآن پاک نے بیوی اور شوہر کو ایک دوسرے کا لباس قرار دے کر اس رشتے کی صداقت وامانت کو واضح کیا اور پھر دو بیویوں میں عدل وانصاف کا حکم قطعی ہے، ازدواجی زندگی کو محبت، رحمت اور مؤدت پر استوار کرنے اور دیکھنے کے لئے طلاق کو حلال کاموں میں ایک ناپسندیدہ فعل قرار دیا گیا۔والدہ کا احترام ضروری اور نافرمانی گناہ سمجھی گئی۔یہاں تک کہ رضائی اور غیر مسلم والدین بھی

حسن سلوک کے مستحق ہیں۔باندیوں اور لونڈیوں کے ساتھ اسلام نے جس نوع کے سلوک کا حکم دیا اس پر عمل کرنے سے غلامی کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے۔بچی کی پیدائش کو رحمت اور دو بیٹیوں کی پرورش کرنے والے کو نبی کریم ﷺ نے جنت میں اپنی رفاقت کی سعادت عطا فرمائی۔

معاشرے کو گناہ آلود زندگی سے بچانے کے لئے نبی کریم ﷺ نے مردوں کو نگاہیں جھکانے کا حکم دیا، اور ساتھ ہی عورتوں کو بھی حکم دیا کہ وہ جسمانی نمائش سے احتراز کریں۔خوشبو لگا کر گھر سے باہر نہ نکلیں اور نامحرموں سے میل جول نہ رکھیں، یہاں تک کہ دروازہ کھٹکھٹانے والے مرد کو اندرون خانہ سے ملنے والی نسوانی آواز کو ارادتاً کرخت بنانے کا حکم ہے۔دوسری طرف عورت کے کان میں کسی خوش الحان مرد کی سریلی آواز کو بھی فسادِ قلب کا باعث سمجھا گیا۔سچ یہ ہے کہ بصارت، سماعت اور گفتار قابو میں رہے تو کردار کا اعتبار قائم رہتا ہے جب کہ دورِ حاضر میں بصارت بھی بے لگام ہے، سماعت بھی آوارہ و سرگشتہ، اور گفتار بھی بے وقار، ایسے میں اس نوع کی شاعری ہی شعور کا حسن بنے گی کہ ؎

ذوقِ نظر سے عشق شعورِ گناہ تک
پہنچا کہاں کہاں میں تجھے دیکھتا ہوا

بیعت کرتے وقت نبی اکرم ﷺ کا کسی عورت کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ مس نہ کرنا، اخلاق و کردار کے تحفظ کی ایک قابلِ تقلید اور قابلِ تحسین مثال ہے۔نبی پاک ﷺ نے مرد و عورت دونوں کے لئے حصول علم کو لازم قرار دے کر فکر و نظر کے بند دروازے دونوں پر کھول دیئے، نتیجہ معلوم کہ صحابیات نے براہ راست ازواج مطہرات اور ان کی وساطت سے حضور ﷺ سے ہر دینی اور علمی امر میں استفادہ کیا۔ اور اسی فیض کی اثر آفرینیاں تھیں کہ صحابیات کو قرآنی اور دینی معلومات کے ساتھ ساتھ فن کتابت، طب، تاریخ، خطابت، شعر و ادب، صنعت و حرفت، تجارت، دباغت اور دستکاری کے سلسلے میں بھی خصوصی مہارت حاصل تھی جبکہ یہی دینی اور علمی شخصیات، بزم کے ساتھ ساتھ رزم میں بھی مجاہدین کی اعانت کرتی تھیں۔اور ہماری تاریخ ایسی ہی عظمتوں کی ایک دل آویز داستان ہے۔

زیرِ نظر مقالات خواتین کے تحریر کردہ ہیں۔بیشتر مضامین سطحی او ربیانیہ نوعیت کے ہیں جبکہ چند ایک تحقیقی اعتبار سے قابل قدر اور انتائی نقطۂ نظر سے قابلِ تحسین ہیں، ویسے یہ اپنی نوعیت کی ایک منفرد کاوش ہے کہ ''تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں خواتین کے حقوق وفرائض'' پر روشنی بھی خواتین ہی نے ڈالی ہے، چند ایک مضامین موضوع سے ہٹے ہوئے ہیں مگر بحیثیت مجموعی طبقۂ نسواں پر اسلام کے

احسانات ہی زیر بحث آئے ہیں کہ قبل اسلام یہی طبقہ انتہائی مظلوم تھا اور بعد اسلام عزو شرف اسی مظلوم طبقے کے لئے وقف رہا کیونکہ ؎

ذہن بیدار نہ تھے انؐ کی نظر ہونے تک
کتنی صدیوں کا اندھیرا تھا سحر ہونے تک
آگہی کب سے تھی زندانِ جہالت میں اسیر
زیست دیوار ہی دیوار تھی، در ہونے تک
(مؤلف)

اہم اقتباسات

رب العٰلمین نے رحمۃ للعٰلمین حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں اپنے آخری رسول کی حیثیت سے تمام علمی و عملی کمالات کا جامع اور مثالی نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ اور لوگوں کو یہ ہدایت دی کہ زندگی کے ہر شعبے، ہر دور و ہر حال میں آپ کے اسوۂ حسنہ اور مثالی کردار کی اتباع و پیروی اختیار کریں کہ انسانیت کے لئے یہی وہ واحد نمونۂ عمل ہے جس کے سانچے میں ڈھل کر انسان (عورت ہو یا مرد) اپنی اور اپنے ابنائے نوع کی اصلاح کا ذریعہ بن سکتا ہے اور گوناگوں مسائل، ناکامیوں اور محرومیوں کے خارزاروں سے نجات پا کر ایک پاکیزہ اور پرسکون نظامِ زندگی حاصل کرسکتا ہے۔

عورت ہی کے مقام و اہمیت کو لیجئے، تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہی وہ مقدس ہستی ہیں، جن کے طفیل معاشرے میں عورت کو وہ بلند حیثیت حاصل ہوئی جس کی نظیر دنیا کی کسی سوسائٹی میں نہیں پائی جاتی۔ وہی عورت، جس کا وجود، ذلت، عار اور گناہ سمجھا جاتا تھا، معاشرے میں اس کی حیثیت جانور سے بدتر تھی۔ مرد اس پر ظلم ڈھانا اپنا حق گردانتا تھا۔ صدیوں کی مظلومی اور محکومی نے خود عورت کو یہ بات بھلا دی تھی کہ وہ بھی دنیا میں کوئی حق لے کر پیدا ہوئی ہے یا اس کے لئے بھی عزت کا مقام ہے۔

اس صورتِ حال میں نبی کریم ﷺ نے قانونی عملی اور ذہنی حیثیت سے ایک انقلاب عظیم برپا کیا، آپ نے عورت اور مرد دونوں کی ذہنیتوں کو بدلا۔ انسان کے ذہن میں عورت کی عزت اور اس کے حق کا تخیل پیدا کیا، آج جو عورت کی بیداری اور نسوانی حقوق کی باتیں ہو رہی ہیں یہ سب اسی انقلاب انگیز صدا کی بازگشت ہیں، جو حضور ﷺ کی زبانِ مبارک سے بلند ہوئی تھی۔ وہ حضور ﷺ ہی کی ذات

اقدس ہے جس نے انسانی دنیا کو یہ بتایا کہ:

☆ عورت بھی ویسی ہی انسان ہے جیسا مرد۔

☆ اللہ تعالٰی کی نگاہ میں مرد اور عورت کے درمیان کوئی فرق نہیں۔

☆ روحانی ترقی کے جو درجات مرد کو مل سکتے ہیں وہ عورت کے لئے بھی کھلے ہیں۔

☆ جیسے حقوق عورت پر مرد کے ہیں ویسے ہی حقوق مرد پر عورت کے ہیں۔

☆ بیٹی کا وجود باپ کے لئے ننگ و عار نہیں بلکہ اس کی پرورش اور حق رسانی باپ کو جنت کا مستحق بناتی ہے۔

☆ نیک بیوی شوہر کیلئے دنیا میں سب سے بڑی نعمت ہے۔

☆ خدا اور رسول کے بعد سب سے زیادہ عزت، قدر دانی اور حسن سلوک کی مستحق ماں ہے۔

☆ ایک مسلمان عورت دنیا اور دین میں مادی، عقلی اور روحانی حیثیات سے عزت اور ترقی کے ان بلند سے بلند تر مدارج تک پہنچ سکتی ہے جن تک مرد پہنچ سکتا ہے اور اس کا عورت ہونا کسی مرتبہ میں بھی اس کی راہ میں حائل نہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ آج کی دنیا کو نبیٔ رحمت ﷺ کی روحانی عظمتوں اور صداقت سے آگاہ کیا جائے اور اسے زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں آپ کی قولی و عملی ہدایات سے روشناس کرایا جائے، تاکہ وہ آپ کی عالمگیر رحمت اور نور ہدایت سے فیض یاب ہو۔ آپ کے لائے ہوئے پیغامِ رحمت کی تعمیل و اطاعت کی طرف راغب اور متوجہ ہو اور آپ کے اعمالِ حسنہ کی روشنی میں اپنی سیرت و کردار کی تعمیر و تشکیل کرے۔(۱)

تعلیماتِ محمدی ﷺ کا کمال ان کی جامعیت ہی میں مضمر ہے۔ ہر انسان کے لئے زندگی کے ہر شعبہ میں حضور ﷺ کا نمونۂ عمل موجود ہے۔ عالم کے لئے، متعلم کے لئے، مرد کے لئے، عورت کے لئے، حاکم کے لئے، محکوم کے لئے، آقا کے لئے غلام کے لئے، تاجر کے لئے کسان کے لئے۔ امیر کے لئے، غریب کے لئے، والدین کے لئے، اولاد کے لئے، سبھی نوعِ انسان کے لئے حضور ﷺ کی سیرت مطہرہ روشنی کا وہ مینار ہے، جو کامیاب و بامراد زندگی کی منزل کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ حضور ﷺ کا پیغام انسان کی عملی زندگی کے عین مطابق ہے، اس میں کوئی الجھاؤ نہیں، یہ فطرت کے عین مطابق ہے۔ کوئی مافوق الفطرت بات نہیں۔ پھر اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے فرمان سے کہ یہ انسانی زندگی کا ابدی اور کامل ترین نصب العین ہے، جو بات تعلیمات محمدی کو دوسرے ادیان کے طریقے پر فوقیت بخشتی

ہے وہ یہ ہے کہ اس میں توازن واعتدال ہے، اس میں نہ تو ترک دنیا کی ہدایت ہے کہ دنیاوی نعمتوں سے بالکل کنارہ کش ہو جاؤ، نہ یہ کہ بالکل دنیا ہی میں ڈوب جاؤ، نہ یہ کہ خدا کے باغی بن کر رہو، نہ یہ کہ محض عبادت الٰہی میں ہی لگے رہو اور حقوق العباد کو فراموش کر دو، مومن دعا کرتا ہے تو پہلے اچھی دنیا کے لئے اور پھر اچھی عاقبت کے لئے، سب سے غور طلب بات یہ ہے کہ حضور ﷺ کی شان معلی صرف نظری اعتبار ہی سے قابل قدر نہیں بلکہ عملی اعتبار سے بھی عدیم النظیر ہے۔(۲)

موجودہ دور کی مادہ پرستی نے لوگوں کو تحصیل دولت کی تمنا میں بدحواس اور بے گانہ بنا دیا۔ اہل مشرق کی گھریلو زندگیوں اور اجتماعی حیثیت سے مشرقی معاشرے پر مغربی طرز حیات کا مسموم اثر اس حد تک حاوی ہے کہ ہماری آنے والی نسلوں کو ان سے محفوظ رکھنے کے لئے انتہائی احتیاط اور توجہ کی ضرورت ہے، بچوں کی نگہداشت اور صحیح تربیت کے لئے ہمیں اسلامی تربیتی اصولوں کی روشنی میں نئی نسلوں کو پروان چڑھانا چاہئے، تا کہ ہمارے بچوں کو رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں انسانیت کی صحیح قدریں حاصل ہو جائیں اور زندگی کی وہ شاہراہ مل جائے جس کی منزل اخلاقی اعتدال، معاشرتی نظم وضبط اور حسن کردار ہو(۳)

اسلام وہ دین مبین ہے جس نے عورت کو معاشرے میں بلند مقام پر فائز کیا اور اس کو معاشی تحفظ نہایت احسن طریقے پر دیا، تمام ادیان جو انسانی مساوات، ہمدردی اور رحم کے دعوے بیانگ دہل کرتے ہیں انہوں نے عورت کو ارذل مخلوق اور مرد کے مقابلے میں اس کو نہایت گھٹیا درجہ دیا۔

یہودی عورت کو مرد کی دل بستگی کا ایک ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ان کے مذہب میں عورت کی معاش کا کوئی واضح قانون نہیں ہے۔ نصرانی عورت کو مکار اور گنہگار سمجھتے ہیں۔ دنیا میں جو کچھ بھی برائیاں اور گناہ ہو رہے ہیں وہ صرف عورت کی وجہ سے ہیں۔ نصرانیت میں بھی عورت کی معاش کا کوئی صریح نظام مقرر نہیں ہے۔ ہندومت میں مرد کے مقابلے میں عورت کو بہت کمتر سمجھا جاتا ہے، عورت کا کوئی معاشی تحفظ نہیں بلکہ ان کے یہاں تو ستی کی بے ہودہ رسم جاری تھی اور مردہ شوہروں کے ساتھ بیویوں کو زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ جزیرہ نما عرب میں یہودی، نصرانی اور بت پرست اپنی زندگی غیر اخلاقی اقدار کے تحت گزار رہے تھے۔ عرب میں قبائلی نظام جاری تھا جو اپنی من مانی کرتے تھے۔ ایک عورت کا نہ بچپن محفوظ تھا نہ جوانی کا کوئی ضامن اور نہ بڑھاپے کا کوئی سہارا۔ عرب معاشرے نے ایسے قوانین بنا رکھے تھے جن کے تحت لڑکی کی پیدائش باعث شرم وعار تھی۔ لڑکی کا باپ لوگوں کے طنز کا نشانہ بنتا تھا، اس لئے وہ لڑکی کو زندہ درگور کر دیتا تھا۔ سورۂ نحل میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰی ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ○
يَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ
فِی التُّرَابِ.

اور جب ان میں سے کسی کو لڑکی کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا منہ کالا پڑ جاتا ہے، اور غصے کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے۔اس خوشخبری کے رنج سے وہ لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے کہ آیا ذلت اٹھا کر اس کو اسے پاس رہنے دے یا اس کو مٹی میں چھپا دے۔

اور اگر بچیاں والدین کی ستم ظریفی سے بچ بھی جاتی تھیں تو ان کو بڑے ہونے پر ڈھور ڈنگر کی طرح فروخت کر دیا جاتا تھا۔خریدار کو کلی اختیار تھا کہ اس لڑکی کے ساتھ کیسا ہی ناروا سلوک کرے اس طرح لڑکیاں کئی کئی ہاتھوں میں فروخت ہوتی تھی۔بالآخر ان کو بے آسرا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ان کے بڑھاپے کا کوئی تحفظ نہ تھا۔اسلام کا عورت پر یہ احسان عظیم ہے کہ اس نے ان کو بچپن جوانی اور بڑھاپے کا تحفظ دے کر ان کو معاشی حقوق فراہم کیے۔(۴)

عورت نسل انسانی کا ہر لحظہ کار آمد متحرک محور ہے،عورت نسلِ انسان کی بقا و توسیع کی ضامن ہے۔عورت عافیت کی علمبردار اور جاری و ساری زندگی کا روشن مستقبل ہے۔

آج کی محفل میں مسلمان عورت کے انقلابی کردار کا جائزہ لیتے ہوئے ہمیں نظر آتا ہے کہ اسلام کی خاتونِ اول حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰؓ وہ بلند و پختہ کردار کی حامل شخصیت ہیں جنہوں نے اسلام کی رسی کو مضبوطی سے تھاما۔اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت ساتھ دیا جب پہلی وحیٔ الٰہی نازل ہوئی۔جب گردشِ ماہ و سال اسلام کی تاریخ لکھ رہے تھے تو اس پاکیزہ صفت خاتون نے اپنے کردار کی وہ مہر تصدیق ثبت کی کہ قول رسول صادق آیا۔حضور ﷺ فرماتے ہیں:

☆ وہ سب سے پہلے مجھ پر ایمان لائیں۔
☆ انہوں نے سب سے پہلے میری تصدیق کی جب اور جھٹلا رہے تھے۔
☆ انہوں نے اپنے مال میں مجھے شریک کیا اور اسلام کی راہ میں اسے لٹایا جب اور مجھے روک رہے تھے

دنیا و آخرت کی برگزیدہ ہستیوں میں حضرت بی بی خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا وہ ذات ہیں

جنہیں اللہ اور اس کے فرشتے، حضرت جبریلؑ امین نے سلام کہا

خواہرانِ عزیز! اسلام ایک انقلابی مذہب ہے جس نے قوموں کی تقدیریں بدل دیں۔ یہ تعلیماتِ نبوی کا اعجاز تھا کہ پہلی مسلمان خاتون کے پختگیٔ کردار نے وہ بنیاد فراہم کردی جس پر عزم و حوصلے کی عظیم الشان اسلامی عمارت تعمیر ہوا تھی۔ نبیٔ اکرم ﷺ یکسو ہو کر دعوتِ حق اور تبلیغ دین میں مشغول ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد حضرت بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا پر پوری طرح صادق آیا۔

پھر چشم فلک نے وہ حیرت انگیز نظارہ دیکھا کہ اسلام کے لئے جان اور مال کی قربانی دینے میں یہ کمزور ناتواں عورت ذات مردوں سے بازی لے گئی۔ یہ تعلیمات نبوی کی پشت پناہی اور سہارا تھا کہ اسلام کے لئے جان کی بازی لگا دینے والی پہلی شہید حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ہوئیں۔ اسلام کے لئے پہلی ہجرت حضرت ام سلمٰی رضی اللہ عنہا نے کی۔ جرأت اور حوصلے کا نشان حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہوئیں کہ دشمن یہودی کا سر کاٹ کر فصیل سے نیچے پھینک دیا۔

فقیہہ دوراں فخرِ نسواں حضرت بی بی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ ہوئیں کہ بڑے بڑے صحابۂ کرام زانوئے تلمذ طے کرتے تھے۔ حضرت امِ سلمٰیؓ کی دینی بصیرت صلح حدیبیہ کے وقت یوں سامنے آئی کہ رسول خدا ﷺ نے خود لبیک کہا۔ حضرت بی بی فاطمہؓ بنت رسول کہ جن کی گود میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما نے تربیت پائی اور بساطِ ہستی پر وہ مہر شہادت نصب کی تاریخ اسلام زندہ جاوید ہو گئی۔ حضرت بی بی زینب بنت علی خواہر امام عالی مقام کہ جن کی گرمیٔ گفتار نے یزید کے ایوانوں کو لرزہ براندام کر دیا۔ جرأت و حوصلہ کی وہ داستان رقم کی کہ حوصلوں کو فروغ آج انہیں کی ذات سے ہے۔ گفتگو کا ہر جلالی و جمالی انداز زینب بنت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مرہون منت ہے۔

یقیناً امہات المؤمنین اور اہل بیت رسول (رضی اللہ عنہم) منتخب اور برگزیدہ ہستیاں تھیں لیکن ان کے بعد بھی جب تک طبقہ نسواں نے تعلیمات نبیؐ پر عمل کیا، تاریخ اسلام کے اوراق مسلمان عورت کی عظمت کردار کے معترف رہے۔ مسلمان عورت نے اپنے وجود کا احساس اپنے قول اور فعل کی پختگی سے دیا ہے۔ نسل انسانی کو بہترین وجود عطا کرنے اور بنانے میں دیا ہے۔ کہاں کہاں کس کس کا ذکر کروں، یہ بکھرے موتی لعل و جواہر یہ نکھری خوشبوؤں کے پھول تو ابد تک نور و سرور کے علمبردار ہیں۔ حق کو سنبھالنے والیاں اور حق ادا کرنے والیاں یہ تھیں کردار تو ان کے تھے کہ:۔

شراب کی حرمت آئی تو گھر کے برتن توڑ کر باہر پھینک دیئے۔

پردے کا حکم ہوا تو پلنگ کی چادریں اتار کر اوڑھ لیں۔

خیرات کا ذکر ہوا تو تن سے زیور اتار کر دے دیئے۔

اور قربانی کا وقت آیا تو اپنے ہاتھوں لخت جگر جھیا رسجا کر بھیج دیئے۔شہید ہوئے تو اف تک نہ کی اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کی راہ میں کام آئے۔

قوموں کے عروج وزوال میں جتنا اہم کردار مسلمان عورت نے ادا کیا ہے تاریخ کے اوراق اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔(۵)

گفتگو ایک فن ہے۔اس کو مغرب ومشرق کے ماہرین نفسیات،لسانیات وتعلیمات نے بہت دیر بعد پہچانا۔اور پھر اس فن پر لاتعداد کتابیں لکھی جانے لگیں۔لیکن گفتگو کے اس فن کا سرچشمہ غارِ حرا سے پھوٹا اور چودہ سو صدیوں سے دلوں اور دماغوں پر حکمرانی کرتا چلا آرہا ہے،آنحضور ﷺ فنِ گفتگو سے مرصع ہوکر آئے تھے۔سب سے پہلے عرب میں آپ ﷺ کے قول کو پہچانا گیا، سچ جانا گیا اور آپ کو صادق کا لقب عطا کیا گیا۔افعال میں دیانت نہ ہو تو اقوال میں سچائی نہیں آتی۔عرب کے اس دورِ جہالت میں مشرکین، کافرین و دشمنانِ اسلام خود آنحضور ﷺ کے دشمنِ جاں بھی، حضور کا سخن سن کر دنگ رہ جاتے، یہ محض سخن نہیں تھا دلوں پر اترنے والا کلام تھا، ذہنوں پر لگ جانے والی مہر تھی، دہنِ مقدس سے الفاظ نہیں نکلتے تھے اثر آفرینی کی ایک دھار بہتی تھی، جملے نہیں ہوتے تھے، سحر طرازی کے نقوش ہوتے تھے کہ مخاطب کے دل اور دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتے تھے، جس نے بھی آپ کے سخن روح پرور کو سنا، آپ ﷺ کے آگے اقرار کرلینے کے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا۔(۶)

یوں تو راہبر کامل صلی اللہ علیہ وسلم کے زبان مبارک سے نکلا ہوا ہر مکالمہ دینِ اسلام کا ایک اتنا بڑا ستون ہے، جس کے معانی کو سر کرنے کے لئے ہم ایسے کم علموں کو صدیاں درکار ہیں۔پھر اس کم وقت میں ان تمام مکالموں کا احاطہ بھی ناممکن ہے۔یہاں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ نے تعلیم وتعلم کے لئے، افہام وتفہیم کے لئے، تسکین وتائید کے لئے اور تبلیغ وتفسیر کے لئے جو گفتگو مکالمات میں فرمائی ہے وہ شعر وسخن اور ادبِ عالیہ کا ایسا بے نظیر خزانہ ہے جس کے آگے ساری دنیا کا ادب دوزانو نظر آتا ہے۔ایسا سخن صرف اور صرف آپ ﷺ کو عطا کیا گیا ایسا لحن صرف اور صرف آپ ﷺ کو بخشا گیا۔ایسا دہن صرف اور صرف آپ ﷺ کی نظیر ہے کلام وسخن میں یہ عرفان اس وقت آتا ہے جب بندے کی آنکھوں سے ظاہر کا پردہ اٹھ جاتا ہے۔جب بندگی کے اسرار ورموز کھل جاتے ہیں، جب اللہ کی رضا اس کے بندے کی ادا بن جاتی ہے۔

جب اپنے اللہ کا ہو کر بندہ اللہ سے ہم کلام ہوتا ہے تو اس کے کلام پر کلامِ الٰہی کا یقین ہونے لگتا ہے۔(۷)

حرفِ اختتام

نبی مکرم ﷺ نے جو احترام طبقۂ نسواں کو دیا، اس پر یہ طبقہ جس قدر بھی فخر و ناز کرے کم ہے۔ ماں کے قدموں کے نیچے جنت کی جملہ بہاروں کو رکھ کر دینا کوئی معمولی اعزاز نہیں ہے، عورت چھوٹے پیمانے پر ایک خالق بھی ہے اور اس کی آغوش تعلیم و تربیت کا ایک اولین گہوارہ بھی۔ اس کے فیض سے آئندہ نسلوں کے کردار سنورتے اور اخلاق نکھرتے ہیں اور یوں ملت کی بنیادیں استوار رہتی ہیں۔ محض ایک باندی اور محض ایک خادمہ سے نہ اس نوع کے بلند مقصد کی توقع کی جا سکتی ہے اور نہ وہ اس مقصد کی بجا آوری کی مکلّف ہے۔ عورت ہی کے لبوں سے شیر خوار بچہ لا الٰہ سیکھتا ہے۔ گویا توحید کا اولین سبق ماں ہی دیتی اور اسی کے طفیل یہ حقیقت معصوم زبانوں سے ادا ہوتی ہے اور سادہ دلوں پر نقش ہوتی ہے۔ عورت کی عفت ملی عز و شرف کا کمال اور اس کا وجود معاشرتی زندگی کا جمال ہے۔ حق یہ ہے کہ صرف دینی اقدار کی پاسداری ہی سے یہ ہستی محترم رہ سکتی اور نسل انسانی کو محترم بنا سکتی ہے۔ اور نبیؐ کریم ﷺ کے فرمودات کو حرزِ جاں اور مشعلِ راہ بنا کر وہ نسلِ انسانی کو وقت کی مسموم فضا سے بچا سکتی اور اسے نازشِ زمانہ بنا سکتی ہے۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال عورت کے شرف اور عظمت کو یوں واضح کرتے ہیں ۔

در ضمیرش ممکنات زندگی　　از تب و تابش ثبات زندگی
ارج ما از ارجمند پہائے او　　ماہمہ از نقش بند پہائے او
حق ترا دادست اگر تاب نظر　　پاک شو قدسیتِ او را نگر

ارمغانِ حجاز کی ایک رباعی میں وہ دخترِ عہدِ حاضر کو یوں اسلامی شعائر کی تلقین کرتے ہیں ۔

زشام ما بروں آور سحر را　　بہ قرآں باز خواں اہل نظر را
تو میدانی کہ سوز قرأت تو　　دگرگوں کرد تقدیر عمرؓ را

اسلام نے طبقۂ نسواں کو حرمت و توقیر سے تب نوازا جب پوری دنیا میں وہ تحقیر و تذلیل کا نشانہ تھی، قرآنِ حکیم کی تعلیمات نے بے مثال حکمت کے ساتھ اس مظلوم طبقے کو قعرِ مذلت سے نکالا اور عزت کی انتہائی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ اسلام نے اسے آزادی کی عظمت بھی عطا کی اور ایک خاص حد میں بھی رکھا۔ حقوق بھی دیے مگر فرائض کا بھی قدم قدم پر احساس دے دیا، رعایتیں بھی دیں مگر انہیں بعض

not

امور سے مشروط بھی کر دیا۔اسی حکمت اور اسی دانائی میں اعزاز و ارتقا کا حقیقی حسن مضمر ہے اور یہی دستور العمل مستورات کے دنیاوی شرف اور اخروی سرخروئی کا واحد ضامن ہے۔(مؤلف)

حوالہ جات، مقالات نویں قومی سیرت کانفرنس

۱۔	پروفیسر عبدالجبار شیخ	رسول کریم ﷺ کا عطا کردہ نظامِ عدل وقضا	ص ۸۳
۲۔	علامہ عبداللہ خلجی	آنحضور ﷺ کا نظامِ عدل	ص ۴۰
۳۔	علامہ عبداللہ خلجی	آنحضور ﷺ کا نظامِ عدل	ص ۴۰
۴۔	مولانا محمد عبدالقدوس قاسمی	شہادت کے قواعد وضوابط	ص ۶۰
۵۔	پیر محمد کرم شاہ الازہری	نظامِ قضا بشمول وکالت	ص ۱۰۹
۶۔	پیر محمد کرم شاہ الازہری	نظامِ قضا بشمول وکالت	ص ۱۰۹
۷۔	شمس بریلوی	حضور اکرم ﷺ کا معاشرتی عدل	ص ۱۴۰
۸۔	پروفیسر عبدالقیوم	ذمی۔سیرت النبی ﷺ کی روشنی میں	ص ۲۲۲
۹۔	پروفیسر فضل حق میر	حضور ﷺ کا ذمیوں کا ساتھ عدل	ص ۲۳۲
۱۰۔	ڈاکٹر انعام الحق کوثر	حضور پاک سرورِ کائنات ﷺ کا نظامِ عدل	ص ۲۶۳
۱۱۔	صاحبزادہ خورشید گیلانی	الہدیٰ	ص ۱۰

حوالہ جات، مقالات بین الاقوامی سیرت کانفرنس برائے خواتین

۱۔	چودھری شوکت علی	ایڈیشنل سیکرٹری، وزارت مذہبی امور	پیش لفظ
۲۔	بیگم راحت آغا	تعلیمات محمد ﷺ	ص ۴۸
۳۔	ڈاکٹر پروین شوکت علی	تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں بچوں کے ساتھ سلوک	ص ۶۰
۴۔	مسز سیدہ عثمانی	خواتین کے معاشی حقوق، دائرۂ اسلام میں	ص ۸۵
۵۔	بیگم نجم منور علی	تعلیمات نبوی ﷺ کے زیر اثر تاریخ اسلام میں عورت کا کردار	ص ۹۸
۶۔	بیگم بشریٰ رحمٰن	تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اقلیمِ سخن کا شہنشاہِ اول وآخر	ص ۱۳۳
۷۔	بیگم بشریٰ رحمٰن	تعلیمات نبوی ﷺ کی روشنی میں اقلیمِ سخن کا شہنشاہِ اول وآخر	ص ۱۳۳